© rasailojaraid.com

اس قدر ہوگی ترنم آفریں بادِ بہار — نکہتِ خوابیدہ غنچہ کی نوا ہو جائے گی
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک — بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود — پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں — محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الصف - ۹)

استدراک

اس مقالہ کی تیاری میں جو مسالہ کام میں لایا گیا ہے وہ تمام تر امام الہند مولانا آزاد، ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال، مفکرِ اسلام ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اور دیگر اکابرینِ امت کے افکار و خیالات سے ماخوذ و مقتبس ہے۔ میرا اس میں اپنا کچھ نہیں۔ یہاں تک کہ الفاظ اور پیرایۂ بیان بھی خود ان ہی حضرات کا ہے۔ میں نے صرف ان کی جمع و تالیف کی ہے، اور ایک خاص طرز و اسلوب میں انھیں ہم آمیز کر دیا ہے۔ یہ چند خوشنما پھولوں کا ایک گلدستہ ہے جو چمنستانِ اسلام کے مختلف گوشوں سے انتخاب کر کے فردوسِ نظر بنایا گیا ہے، البتہ ان سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں، وہ میرا اپنا استنتاج و استخراج ہے، جس کی ساری ذمہ داری مجھ پر ہے، خواہ اس کے لئے نشانۂ ملامت بنایا جاؤں یا موردِ عنایت۔

جرم منست پیشِ تو گر قدرِ من کم است — خود کردہ ام لپسند خریدارِ خویش را

آیاتِ قرآنی کے معانی و مطالب کی توضیح و تشریح امام راغب اصفہانی اور امام الہند مولانا آزاد کے مختارات سے ہے۔ اس مضمون میں جہاں اصحابِ جبہ و عمامہ اور زاویہ نشینانِ تجرد و انقطاع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی طرف اشارات کئے گئے ہیں، ان سے پیشہ ور علماء اور دوکاندار متصوفین مراد ہیں، جو اپنے مستقل مفادات کے پیشِ نظر حالتِ موجودہ میں کسی قسم کی تبدیلی کے سخت مخالف ہیں، ورنہ علمائے اسلام اور صوفیائے عالی مقام کا دامن ان آلودگیوں سے ہمیشہ پاک اور بے داغ رہا ہے۔

گر تو آلودہ دامنی چہ عجب　　ہمہ عالم گواہ عصمتِ اوست

بہرحال ہم مسلمانوں کو اس وقت اسلام کے روح و مزاج کو سمجھنے کی سخت ضرورت ہے مطالعۂ کتاب و سنت اور عہدِ خلافتِ راشدہ پر غور و تدبر سے ذہن و دماغ جلا پاتے اور صحیح اسلامی فکر پیدا ہوتی ہے۔ لسانِ وحی نے مسلمانوں کو امتِ وسطیٰ کے خطاب سے سرفراز کیا ہے اس ذہنی انتشار اور روحانی خلفشار میں جو اس لا الٰہی (Godless) دور کے برگ و بار ہیں، ہمیں اپنے فرضِ منصبی سے آگہی کی ضرورت ہے تاکہ ہر شعبۂ زندگی میں دنیا کی قیادت اور لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کی عملی تفسیر پیش کریں اقبال نے اپنے خطبات "افکارِ اسلامی کی تشکیلِ جدید" میں عہدِ حاضر کے مسلمانوں کو اس فرضِ منصبی کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے:۔

Let the Muslim of today appreciate his position, reconstruct his social life in the light of ultimate principles, and evolve out of the hitherto partially revealed purposes of Islam that spiritual democracy which is the ultimate aim of Islam --

یہ مضمون اسی سلسلہ کی ایک کڑی، اور ان ہی افکار و خیالات کا اعادہ و تکرار ہے

عدی را تیز ترمی خواں چو محمل را گراں بینی
نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عثمان رضؓ

صرف تاریخ کی روشنی میں

از

ڈاکٹر طٰہٰ حسین

مترجم

(جناب مولانا عبد الحمید صاحب نعمانی)

اسی وقت سے اسلام میں ایسے اشراف وخواص کی بنیاد پڑی جن کا جوہری جزیہ یوں کہیے جن کا قوام رسول اللہ صلعم سے قرب اور آپ کی صحبت تھی، چنانچہ قریش کے لئے حکومت اور انصار کے لئے مشورہ طے ہوا، اور مشورہ دینا ہر مسلمان کا عام حق بھی ہے، بس قریش حکومت کریں اور مشورہ لیں اور عرب انصار وغیر انصار مشورہ دیں۔ ان کے لئے حکومت کرنے کا موقع نہیں، لیکن خواص واشراف کی حقیقت سمجھنے میں ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے اور غور کرنا چاہیے کہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے مہاجر ساتھیوں کا مطلب کیا تھا اور قریش والوں نے بعد میں کیا مطلب نکالا؟ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ ابن جراح کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ "خلفاء قریش میں سے ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ عام قریشی خلافت کے حق دار ہیں، اندازہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھیوں نے مہاجرین پر نظر ڈالی جو سب سے پہلے اسلام لائے اور اشاعتِ اسلام کے لئے مکہ کی انتہائی تنگی اور سختی کی زندگی میں اپنے مال ومتاع سے رسول اللہ کی مدد کی انھیں معلوم ہوا کہ ان مہاجرین کی اکثریت قریشی ہے نیز قرآن وحدیث میں اور عوام کی زبان پر مہاجرین کا ذکر پہلے اور انصار کا بعد میں ہے، میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت ابوبکر کا مطلب قریش کے اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممتاز طبقے سے ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا اور جس نے مکہ کی پر آشوب اور پرخطر زندگی میں نبی کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور جس کے ساتھ مدینہ کی باشوکت زندگی میں انصار نے مل کر کام کیا،

اگر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ نے ایک قبیلہ کی حیثیت سے قریش کا تصور کیا ہوتا جس کا تعلق نسبی اور قرابتی طور پر رسول اللہؐ سے ہے تو اس تخیل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ خلافت کے لئے اس شخص کو پسند کرتے جو قریشیوں میں قرابت کے اعتبار سے رسول اللہؐ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا وہ آپ کے چچا عباسؓ یا حضرت علیؓ کو امیدوار بناتے جو نہ صرف آپ کے داماد تھے بلکہ پرورش کردہ بھی، پس حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھیوں کا مقصود قریش سے یہی مخصوص اور ممتاز مہاجرین تھے، اور یہ تو سب سے بڑی حماقت ہوگی اگر کوئی سمجھے کہ صدیق اکبرؓ اور ان کے ساتھیوں نے نبی سے قریش کی قرابت ہی کو خلافت کا سبب اور سرچشمہ قرار دیا، اگر اس قسم کی کوئی گنجائش ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ کے نزدیک بہت سے وہ سربرآوردہ اور آزاد قریشی خلافت کے زیادہ حقدار ہوتے جنہوں نے اسلام کی راہ میں بیش از بیش خدمات انجام دی تھیں اور انصاری بزرگوں میں سے ابوسفیان، صفوان بن امیہ، اور حارث بن ہشام بہتر سے بہتر مستحق تھے جو اپنے ایمان اور خدمات کا ثبوت دے چکے تھے، بہرحال قریش نے حضرت ابوبکرؓ کی بات کا وہ مطلب نکالا جو انؓ کا اور ان کے ساتھیوں کا مقصد نہ تھا اور یہ یقین کر بیٹھے کہ امامت قریش کا حق ہے جو کسی اور طرف منتقل نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس کی بنیاد نبی سے قرابت پر ہے، بلاشبہ قریش کا یہ مطلب نکالنا زبردستی کی کھینچ تان اور کھلی ہوئی غلطی ہے، قریش کی رائے اگر معقول ہوتی تو بنی ہاشم دلیل میں غالب آجاتے اور وہ جب تک بھی سنبھال سکتے خلافت کا بار اٹھانے کے زیادہ مستحق تھے، لیکن اسلام، نسب، نسل اور کسی منصب کی بنا پر کسی کو کسی پر فضیلت کا قائل نہیں وہ تو فضیلت کی بنیاد . . . . . . خدا کے نزدیک اور لوگوں کی نگاہ میں تقویٰ، قابلیت اور آزمائش میں ثابت قدمی پر رکھتا ہے۔

ہمارے خیال کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ سے اس خواہش کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اظہار کیا گیا کہ وہ کسی کو خلیفہ بنا دیں تو آپ نے فرمایا اگر ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا، اگر سالم مولیٰ ابی حذیفہ زندہ ہوتے تو انھیں یہ امانت سپرد کرتا۔ اور یہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ قریشی نہیں تھے بلکہ وہ تو نسباً عرب بھی نہ تھے وہ بچپن ہی میں اصطخر سے لائے گئے تھے ایک انصاری عورت نے جوان کی مالکہ تھی ان کو آزاد کیا تھا پھر ابو حذیفہ قریشی کی ولاء میں آئے، نبی کی زندگی ہی میں لوگ انھیں دینی معاملات میں بزرگی دیتے تھے، وہ اس زمانے میں جب رسول اللہ کے مدینہ تشریف لاتے کا انتظار کیا جاتا تھا، مہاجرین کو جن میں خود حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، نماز پڑھایا کرتے تھے۔ عہد صدیقی میں وہ یمامہ میں مرتدوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

یہ سن کر کہ سالم ولاء کی بنا پر قریشی تھے کوئی صاحب یہ منطق پیش نہ کریں کہ اگر وہ زندہ ہوتے اور حضرت عمرؓ ان کو خلیفہ بنا دیتے تو بہر حال امامت قریش ہی میں رہتی، اس لئے کہ یہ ایک فضول سی بات ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ولاء کی بنا پر جو تعلقات قایم ہوتے ہیں وہ متعلقہ افراد کو آزادوں کے مساوی نہیں بنا دیتے۔ عرب سالم کے نسب سے واقف نہیں تھے اور چونکہ خدا نے حکم دیا تھا کہ "مولی" کو اس کے باپ کے نام سے پکارا جائے اور اسی لئے زید کو ان کے والد حارثہ کے ساتھ ملا کر زید ابن حارثہ کہا جانے لگا، سالم کو عرب "من الصالحین" کہا کرتے تھے کیوں کہ وہ ان کے والد کے نام سے واقف نہ تھے ہاں تو حضرت عمرؓ کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا خلیفہ اس کو بنا دیں جو قریشی نہ تھا بلکہ عرب بھی نہ تھا حضرت عمرؓ اپنے اس خیال میں بالکل صحیح راہ پر تھے اور اصول اسلامی کے ماتحت نسب اور نسل کی بنیاد پر فضیلت دینا نہیں چاہتے تھے، وہ تقویٰ، قابلیت اور آزمائش کے قائل تھے اور سالم میں یہ تمام خوبیاں موجود تھیں

بہر حال یہ قریشی اشراف وخواص کی بات یک بیک سامنے آگئی اور اس طرح آئی کہ عوام کو اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے چاہا تھا کہ خلافت مہاجرین میں اس وقت تک رہے، جب تک ان میں اس کی قدرت اور قابلیت ہے۔ مگر قریش نے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہش کا رخ اپنی منفعت اور خاندان کی طرف پھیر دیا اور اسلام کے ایک اہم اصول یعنی مسلمانوں میں مساوات" کی پروانہ کی۔ اس لائن پر آجانے کے بعد قریش نے ایک قدم اور بڑھایا جس کے اثرات مسلمانوں کی زندگی پر بہت دور تک پہنچے۔ انھوں نے عرب کو ان تمام مسلمانوں پر فضیلت دی جن کا تعلق عرب خاندان سے نہ تھا۔ چنانچہ سب جانتے ہیں کہ خلافت کو قریش سے مخصوص کر دینے کی بنا پر مسلمان کیسے کیسے فتنوں میں مبتلا ہو گئے اور اسی برتری اور فضیلت کے تصور نے بنی اُمیّہ سے حکومت چھین کر بنی عباس کو دلادی۔

پس معلوم ہوا کہ صدرِ اول میں اسلام کا نظامِ حکومت دو خصوصیتیں رکھتا تھا۔ ایک معنوی یعنی دین جو نیکی اور انصاف کا حکم حاکم اور محکوم دونوں کو یکساں طور پر دیتا تھا دوسری خصوصیت ان خواص واشراف کا وجود جو قابلیت، تقویٰ اور آزمائش میں نیز رسول اللہؐ سے قربت اور صحبت میں غیر معمولی درجہ رکھتے تھے۔ قریش نے بعد میں اسی دوسری خصوصیت سے کنارہ کشی کر لی یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ۔ یہ دونوں خصوصیتیں زمانہ اور اس کے حوادث کے ساتھ ساتھ باقی نہیں رہ سکتی تھیں۔ دین آشنا زندہ اور مضبوط دل کچھ لوگوں کو مل سکتا ہے لیکن اس کی توضمانت نہیں کی جا سکتی کہ بیٹوں اور پوتوں کو بھی وراثت میں وہی دل ملے گا۔ بلاشبہ جن لوگوں کو رسول اللہ کا قرب حاصل رہا اور جو براہ راست مشکوٰۃِ نبوت سے تعلیم و تربیت کی روشنی حاصل کرتے رہے وہ اپنے اعمال، اقوال اور افکار میں وہ کیفیت پیدا کر سکتے ہیں جو سیرت نبوی کی نمایندگی کرتی ہو لیکن ان کی آنے والی نسل میں ایسی اولاد بھی ہو سکتی ہے جو ان کا نمونہ نہ ہو ان میں ایسے افراد بھی ہو سکتے ہیں جنھیں نبیؐ کی صحبت کا موقعہ بہت کم یا مطلق نہ ملا ہو، ایسی حالت میں اگر ان کے دلوں میں وہ مذہبیت وہ قوت اور وہ زندگی نہ ہو جو خاصانِ رسول کا حصہ تھی تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔

پھر ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ حکومت کے معاملات اسی وقت ٹھیک ہوتے ہیں جب حاکم اور محکوم دونوں میں نظامِ حکومت سے متعلق تعاون اور اشتراک ہو۔ چنانچہ سیاسی مشکلات اور آویزشوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ حاکم زندہ دل ہے، انصاف اور نیکی کے پھیلانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مؤثر اور اللہ کی رضامندی کا حریص ہے، بلکہ اس کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ رعایا کے دل بھی زندہ ہوں ان میں انصاف اور نیکی کے لئے تڑپ ہو اور وہ بھی خدا کی خوشنودی کے لئے بے تاب ہوں۔

یہی وہ سب سے پہلی رکاوٹ تھی جو اس نئے نظام کی راہ میں حائل ہوئی۔ عرب سب کے سب رسول اللہ کے صحابہ نہ تھے ان کی اکثریت آپ کی صحبت نہ پاسکی۔ اور صحابہ کی تعداد کچھ بہت زیادہ بھی نہ تھی۔ پھر عام عربوں کے ایمان کو صحابہ کے ایمان سے کوئی نسبت نہ تھی بعضوں کا حال ٹھیک تھا اور بعض تو مسلمان تھے لیکن ایمان دار نہ تھے خود قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا اور اگر تم خدا اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو گے تو خدا تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

اور بعض تو ایسے تھے کہ زبان سے اسلام کا کلمہ کہتے لیکن دل میں پوری "جاہلیت" بسا رکھی تھی خدا نے انھیں کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکام شریعت خدا نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اس سے ناواقف رہیں

پس حاکم اور محکوم میں کوئی توازن نہیں تھا اور نہ خلیفہ اور اس کی زیر دست عرب اکثریت رعایا میں کوئی صحیح اشتراک اور سچا اتحاد تھا، ہاں ممتاز صحابہ کا یہ طبقہ بلاشبہ خلیفہ کا معاون اور سچا مخلص تھا اور ان دونوں میں صحیح اشتراک اور سچا اتحاد تھا اور اسی اخلاص اور اتحاد کی بدولت حضرت ابوبکرؓ نہ صرف فتنۂ ارتداد کو فرو کرنے میں کامیاب رہے بلکہ آپ نے عربوں کا رخ فتوحات کی طرف پھیر دیا، پھر ہمیں یہ حقیقت بھی فراموش نہ کرنی چاہئے خواہ انسان کے بارے میں حسن ظن رکھنے والے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتنا ہی بیچ وتاب کھائیں کہ یہ دین آشنا، بیدار اور زندہ دل اکثر ابتلا اور آزمائش کے آلام و مصائب کی آماجگاہ ہوتا ہے انسان بہت کوشش کرتا ہے کہ اس کا قلب حق اور انصاف کا گھر بنا رہے لیکن فتنہ و فساد کی لپیٹ اتنی سخت اور اس قدر پیہم ہوتی ہے کہ مجبور ہو کر شروع شروع میں تاویل کی زمین پر پاؤں ٹیک ہی دیتا ہے، پھر تاویل اور تعلیل کی مختلف منزلوں سے گذرتا گذرتا بالکل نئی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جب وہ مڑ کر دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاص دیرینہ اور اس کے درمیان ایک بڑی لمبی مسافت حائل ہو چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے نبیؐ نے اور خلفاء و صالحین نے لوگوں کو دنیا اور فریب دنیا سے ڈرایا ہے اور ان تمام سرگرمیوں سے بچنے کی تاکید کی ہے جو ان کے لئے فتنہ اور ابتلا کا باعث ہوں، ان کی نیکیوں کو اپنی بدیوں کے ساتھ بہالے جائیں انھوں نے ایسے ارادوں اور کاموں سے روکا ہے جو خوبیوں اور اچھائیوں کو اس طرح جلا کر راکھ کر دیں جس طرح آگ لکڑی کو، ان حالات میں ذرا بھی حیرت نہ ہونی چاہئے اگر بہت سے بزرگ حتیٰ کہ بعض صحابہ بھی فتنہ اور فریب کی لپیٹ میں آگئے ہوں اور ان پر ایسے مصائب اور حوادث گذرے ہوں جنہوں نے ان کو اس فضا سے دور کر دیا ہو جس میں وہ دن رات نبی کی صحبت میں رہتے تھے اور جن کا یہ حال تھا کہ

إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ

کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ فریب اور فتنے کے اسباب بکثرت تھے اور ان میں اتنی قوت اور دلکشی تھی کہ اس کی تاب صرف اولوالعزم لاسکتے تھے جن کی تعداد ہر زمانہ میں بہت کم رہی ہے

میری طرف سے اس میں نہ رنگ آمیزی ہے نہ تکلف، نہ دل آزاری نہ کینہ پروری لیکن میں اصحاب رسولؐ میں ایک ایسی جماعت پاتا ہوں جس نے اسلام کی راہ میں آزمائش کی وہ منزل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یالی جہاں پہنچ کر خود نبیؐ نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرما کر اس کے لئے جنت کی ضمانت کی، پھر ایک زمانہ گذرنے کے بعد ایسے حالات نے ان کا استقبال کیا جن میں قوت و اقتدار کے ساتھ ساتھ مال و دولت کی فراوانی تھی، وہ اس امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکے، ان کے معاملات میں خرابی آئی، ایک دوسرے کے مقابلے میں نبرد آزما ہو گیا، بعض نے بعض کو قتل تک کر دیا، باہم دگر اتنے بدخواہ اور بدگمان ہو گئے جتنا کوئی انسان دوسرے سے ہو سکتا ہے، آپ اندازہ کیجئے کہ ان کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر کیا ہو؟ ہم ان سب کے کارناموں سے اپنی رضا مندی اور اتفاق کا اظہار نہیں کر سکتے کہ اس میں نہ صرف اپنی عقلوں کو معطل اور فکروں کو تاریک کر لینا ہے بلکہ دین کی عمارت کو بھی ڈھا دینا ہے جو حق و انصاف کی بنیاد پر اچھائیوں کے پھیلانے اور برائیوں کے روکنے پر قائم ہے اور نہ ہم ان میں ان لوگوں کو بھی خطا کار کہہ سکتے ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ انھوں نے خطا کی ہے اس لئے کہ اول تو نبیؐ کے دربار میں ان کا ایک درجہ ہے، دوسرے نبی نے خدا کی خوشنودی اور جنت کی بشارت سے ان کو نوازا ہے، پھر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ان کا حسنِ ظن اور اس کے وعدوں پر ان کا پختہ یقین بھی ہم کو اس کی اجازت نہیں دیتا، اور ہماری طبیعت کو یہ بھی گوارا نہیں کہ ان کے معاصرین کا مسلک اختیار کر لیں اور کسی کو حق پر اور کسی کو ناحق پر بتا دیں، اس لئے کہ ان کے معاصرین نے اپنی شرکت کی وجہ سے اپنے ماننے والوں کو حق پر سمجھا اور ان کی حمایت کی اور مخالفین کو غلط کار جانا اور مخالفت کی لیکن ہم تو ان حوادث میں شرکا کی حیثیت نہیں رکھتے اور نہ ان کے مابین اختلافی امور سے ہمارا تعلق، پس یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم اپنے جذبات کو ان کے معاملات میں بے لگام کر دیں ہمارے لئے صحیح راستہ تو یہی ہے کہ ہم صرف ان کی ان باتوں اور ان کے کاموں پر نظر ڈالیں جن کا تعلق عوام کی زندگی اور تاریخ کے واقعات سے ہے اور صرف اسی نقطۂ نظر سے ان کو صائب یا خطا کار تصور کریں ان کے دین کے متعلق ہم کوئی فیصلہ نہ کریں اس لئے کہ دین اللہ کے لئے ہے ہمارے لئے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ ہم ان کے معاصرین کی طرح یہ کہیں کہ یہ کافر ہیں اور یہ مومن، اور یہ بین بین، یا یہ کہ یہ جنتی ہیں اور یہ جہنمی، ہمیں یہ بحث نہیں کرنی چاہیئے اور نہ اس پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحث ہمارا حق ہے، یہ بات صرف خدا سے متعلق ہے ہمیں تو ان کے اعمال، اقوال اور سیرتوں میں صرف یہ پتہ چلانا چاہیئے کہ کون سی بات حق اور انصاف سے قریب ہے اور کون نہیں، اور یہی بقدر ضرورت

آپ نے دیکھا کہ صدر اول کے اسلامی نظام حکومت کی دو خصوصیتوں میں سے ایک یعنی دین آشنا دل کس طرح خطاؤں اور فریبوں کی منزل بنتا ہے اگر نبیؐ کے تمام صحابہ بے خطا ہوتے اور فتنہ و فساد سے بچ جاتے اور اس عصمت و اتقا کے ہاتھوں ان کے تمام معاملات ٹھیک ہو جاتے تب بھی ان کی اولاد مختلف مشکلات اور مصائب سے دوچار ہو کر رہتی۔

پس اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ مسلمان اس زمانے میں تنہا دین آشنا اور متقی دل پر بھروسہ نہ کرتے اور خلیفہ کی للٰہیت کو بھی کافی نہ سمجھتے، بلکہ ایک ایسا نظام مرتب کر لیتے جو تحریری شکل میں حکومت کے مجمل اور مفصل حدود پر مشتمل ہوتا اس میں خلفاء کے فرائض بتائے جاتے کہ وہ یہ، یہ کریں یہ نہ کریں، ان ان معاملات میں ان کے لئے رخصت ہے اسی طرح اس میں عوام کے حقوق و فرائض بھی تفصیل سے لکھے جاتے اس میں ان وسائل اور ذرائع کا بھی تذکرہ ہوتا جن کے ماتحت عوام خلیفہ کا انتخاب کرتے اور انتخاب کے بعد خلیفہ کا احتساب اور اس پر اپنی نگرانی قائم کرتے اور اگر اسے راہ حق سے منحرف پاتے تو ماخوذ کرتے اور سزا دیتے، مسلمانوں کو ضرورت تھی کہ وہ قرآن اور سنت کی روشنی میں ایک تحریری دستور وضع کرتے جس کے صاف صاف اشارات اور نکات ان کو اختلافات اور فرقہ بندیوں سے بچاتے اگر وہ ایسا کر سکتے تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جو کچھ پیش آیا اس سے اپنے آپ کو بچا لے جاتے ذرا ایک مثال ملاحظہ فرمایئے جو عوام کے لئے سخت حیرت انگیز ہے موافقین کے لئے خوش کن اور مخالفین کے لئے غصہ دلانے والی حضرت عثمانؓ سے ان بعض عطیات کے بارے میں بحث کی گئی جو انھوں نے اپنے رشتہ داروں کو دیا تھا حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں "عمرؓ خدا سے ڈر کر اپنے رشتہ داروں کو محروم رکھتے اور میں خدا سے ڈر کر صلہ رحمی کرتا ہوں اور ہم میں آج عمرؓ جیسا کون ہے؟" یعنی حضرت عمرؓ مسلمانوں کے مال سے اپنے عزیزوں کو محروم رکھ کر نیک اور مخلص تھے اور حضرت عثمانؓ اپنے رشتہ داروں کو مسلمانوں کا مال دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنیک اور مخلص میں اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے کہ صلہ رحمی کیا کرو۔

حضرت عثمانؓ کا یہ جواب فقہی تاویل کرنے والوں کے نزدیک ممکن ہے درست ہو لیکن مصلحت عامہ کسی طرح اس کی تائید نہیں کر سکتی۔ یہ مال یا تو عوام کا ہے اور ایسی حالت میں بغیر عوام کی اجازت کے خلیفہ اس میں تصرف کا مجاز نہیں یا پھر خلیفہ کا ہے اور اس صورت میں عوام کا اس کے تصرف پر اعتراض کرنا غلط ہے لیکن یہ کہ بعض خلفاء اس مال کو عام مسلمانوں کے لئے مخصوص اور محفوظ کر کے خدا سے قربت حاصل کریں اور بعض صلہ رحمی میں اس کو خرچ کر کے خدا کے عبادت گذار بنیں یہ صحیح نہیں، کھلی ہوئی بات ہے کہ اس سلسلے میں ہم حضرت عمرؓ کا مسلک پسند کریں گے کیوں کہ وہی حق و انصاف کے قریں اور خلفاء کے لئے جس پاک بازی اور بے نفسی کی ضرورت ہے اس کے مناسب حال ہے نیز عوامی معاملات کے احساس کا یہی تقاضا ہے، جیسا کہ آج بھی ہم سمجھ سکتے ہیں

ایک دوسری مثال جس کی روایت مورخین کرتے ہیں، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پر خوش ہوں یا حیران، حضرت عثمانؓ نے اپنے مخالفین کے شدید محاصرے میں ان سے کہا " اگر خدا کی کتاب میں میرے پاؤں میں بیڑی ڈالنے کا حکم تم پاتے ہو تو ڈال دو" کیا یہ بات حضرت عثمانؓ نے اپنے مخالفین پر عتاب کرتے ہوئے خدا کا حکم تسلیم کرنے کے لئے کہا تھا اگر ایسا ہے تو کتاب اللہ میں کہاں یہ حکم ہے جو مسلمانوں کو اجازت دیتا ہو کہ اپنے امام کے دونوں پاؤں میں بیڑی ڈال دیں، یا آپ نے بطور چیلنج فرمایا۔ اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ قرآن مجید میں اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں اور اس میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جو غلطی کرنے یا راہ سے ہٹنے پر خلیفہ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دینے کا حکم مسلمانوں کو دیتی ہو۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ سمجھتے تھے کہ ان کے مخالفین کتاب اللہ سے کوئی دلیل نہیں لا سکتے اور یہ کہ انھوں نے جو کچھ کیا اسے کرنے کا وہ حق رکھتے تھے اور اپنے اس عمل میں نہ وہ مجرم ہیں نہ کسی غلطی کی لپیٹ میں۔

اگر مسلمانوں کے پاس یہ لکھا ہوا نظام اور دستور ہوتا تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں وہ بلا اختلاف و بلا تفریق باخبر ہوتے کہ انھیں دستور کے ماتحت کیا کرنا چاہیئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے لئے اس قسم کے نظام کے سلسلے میں غالباً ایک روشن مثال کے طور پر وہ روایت پیش کی جاسکے جس میں بتایا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علیؓ سے کہا کہ میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کتاب و سنت اور شیخین کی سیرت کی پابندی کریں گے اور خلاف ورزی نہ ہونے دیں گے تو حضرت علیؓ نے اس شرط کو منظور نہیں فرمایا اور کہا

اللّٰھم لا! ولکن اجتہد فی ذالک — ایسا نہیں ہو سکتا مجھ سے جس قدر ہو سکے گا کروں گا

ورائی ما استطعت

حضرت علیؓ بتانا چاہتے تھے کہ وہ ایک ایسی بات کی پابندی نہیں کر سکتے جس کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی اس لئے کہ قرآن اگرچہ لکھا ہوا ہے اور سینوں میں محفوظ ہے لیکن وہ حکومت کی سیاسیات اور اس کے روزمرہ کے واقعات سے تفصیلی بحث نہیں کرتا اور نبی کی سنت بہرحال شائع ہے لیکن اس میں بعض حدیثیں ایسی ہیں جو غیر حاضر کو تو حفظ ہیں لیکن حاضر اس سے بے خبر ہے پھر بہت سی حدیثیں فتنہ ارتداد اور فتوحات کی لڑائیوں میں شہید صحابہؓ کے ساتھ دنیا سے چلی گئیں، اب رہی شیخین کی سیرت تو وہ بھی سنت نبوی کی طرح سب کی سب معلوم اور محفوظ نہیں اور پھر حضرت علیؓ کو پورا پورا حق تھا کہ وقت اور حالات کے بدلنے پر شیخین کی سیرت سے اختلاف کریں اور اگر انھیں شیخین کی سیرت سے اختلاف میں عوام کا مفاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی نظر آئے تو وہ ضرور اختلاف کریں۔ جب عبدالرحمٰن بن عوف نے یہی شرط حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کی تو انھوں نے اللّٰھم نعم کہہ کر منظور کر لیا مقصد یہ تھا کہ وہ کتاب و سنت اور سیرت شیخین نافذ کرنے کی کوشش کریں گے اور اگر وہ اخلاص کے ساتھ اس کی کوشش کرتے تو ان کے لئے کتاب و سنت اور سیرت شیخین کی شدید پابندی ضروری تھی بلاشبہ لیکن آپ نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں کیا ہوا، حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے مال کے بارے میں وہ مسلک اختیار کیا جو حضرت عمرؓ و ان کی سیرت کے ٹھیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاف تھا، اب جن لوگوں نے اس خیال سے بیعت کی تھی کہ حضرت عثمانؓ سیرۃ شیخین کی پابندی کریں گے انھوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد کی پوری پابندی نہیں کی لیکن خود حضرت عثمانؓ سمجھتے تھے کہ انھوں نے سیرتِ عمرؓ کی ذرا بھی خلاف ورزی نہیں کی اور کسی حالت میں بھی اپنے عہد کو نہیں توڑا ان کی نظر میں حضرت عمرؓ کی سیرت کا جوہر خدا سے قرب حاصل کرنا تھا اور صلہ رحمی کے ذریعے انھوں نے خدا سے قرب حاصل کیا پس انھوں نے وہی کیا جو حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کرتے تھے اللہ سے قرب حاصل کرنے کے ذرائع میں اختلاف کی ذمہ داری تو حضرت عثمانؓ پر نہیں ڈالی جا سکتی اب اگر اس وقت مسلمانوں کے پاس کوئی لکھا ہوا انتظام ہوتا جس میں حدود اور نکات نمایاں اور واضح ہوتے تو حضرت علیؓ اس نظام پر بیعت سے ہرگز انکار نہ کرتے اور نہ حضرت عثمانؓ کو اس کی ضرورت پیش آتی کہ تاویل سے کام لیں اور نہ عوام دو جماعتوں میں منقسم ہوتے۔

ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت ہجرت کے ۲۳ سال بعد ہوئی یعنی حکومت کے قیام اور ہجرت پر پورے ۲۵ سال بھی نہیں گذرے تھے، پھر یہ مختصر مدت بھی اس طرح نہیں گذری کہ زندگی مطمئن اور معاملات درست ہو گئے ہوں دلوں کو سکون اور دماغوں کو راحت مل گئی ہو، اس میں دس سال تو عربوں کو اسلام کی دعوت دینے میں صرف ہوئے، ایک سال سے کچھ زیادہ دن فتنۂ ارتداد کے فرد کرنے میں لگے بقیہ دن دنیا کے گوشوں میں اسلام پہنچانے کے لئے عربوں کو آمادہ کرنے میں صرف ہوئے اس کے بعد ہی ایران میں انقلاب آیا، مصر و شام سے رومی رخصت ہوئے، فوج کی ترتیب اور تنظیم عمل میں آئی بڑے بڑے شہر بسائے گئے امن و جنگ کے سلسلے میں ابتدائی قواعد بنے، پھر ان محکموں کی داغ بیل پڑی جن کا تعلق بلادِ عربیہ کے داخلی معاملات اور بیرونی ممالک کے خارجی امور سے تھا، پس یہ انصاف نہ ہوگا کہ صدرِ اول کے مسلمانوں پر کوئی معترض ہو کہ انھوں نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی کی اور جو کچھ وہ کر سکتے تھے وہ نہ کر سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر اگر یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھی جائے کہ حکومت کے معاملات میں تنظیم کے جو اقدامات شیخین فرماتے تھے وہ اس بدوی ماحول اور عربی سماج کے لئے جو سیاست، تمدن اور تنظیم سے یکسر نا آشنا تھا ایک ایجاد اور اختراع کا مرتبہ رکھتے تھے اور نہ صرف ایجاد و اختراع کی پیش کش، بلکہ انھوں نے اس قوم کو منظم کر دیا جو کسی تنظیم کی عادی نہ تھی اس کو مہذب اور متمدن بنا دیا جس میں پہلے سے تہذیب و تمدن کے آثار نہ تھے تب تو سچائی اور حق سے بڑی دوری ہو گی کہ یہ کہہ دیا جائے کہ شیخین نے مسلمانوں کے لئے جیسی تنظیم چاہئے تھی نہیں کی، حضرت عمرؓ خدا ان پر اپنی رحمت برسائے اس سلسلے میں اپنی انتہائی امکانی کوشش صرف فرمایا کرتے تھے، چنانچہ جیسے ہی کسی متمدن قوم کے کسی طریق کار کا پتہ چلتا اس کو معلوم کرتے اور نہایت گہری چھان بین کر کے اس میں سے وہ جز جو عربی مزاج، اسلامی افکار اور اس نو خیز حکومت کے مناسب حال ہوتا نکال لیتے،

اس سیاسی نظام کی دوسری خصوصیت یعنے صحابہ کے ممتاز افراد کا طبقہ تو وہ بھی طبعی طور پر ایک مدت گذر جانے کے بعد بہر حال زوال کی زد میں آتا۔ اور ایک ایسی جدید نسل پیدا ہوتی جس کو اس امتیاز سے کوئی نسبت نہ ہوتی پس ضروری تھا کہ اس آنے والی نسل کے سامنے ایک مقررہ مرتبہ نظام ہوتا جو اس کو بتاتا کہ خلیفہ کا انتخاب کس طرح ہو اور انتخاب کے بعد اس پر کس طرح احتساب قائم کیا جائے اور اگر وہ خطا کا مرتکب ہو تو کس طرح سزا دی جائے، یہ نظام اگر وضع کر دیا گیا ہوتا تو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کا شیرازہ اس طرح منتشر نہ ہوتا جس طرح تاریخ بتاتی ہے، مسلمانوں میں خوارج کی وہ جماعت نہ ہوتی جو سنت نبی اور شیخین کی اندھی اتباع پر مصر تھی نہ وہ جماعت ہوتی جو بضد تھی کہ امامت اہل بیت ہی کا حصہ ہے، نہ وہ جماعت ہوتی جو خلافت کو قیصریت اور کسرویت کا جامہ پہنانا چاہتی تھی اور نہ وہ جماعت ہوتی جو چاہتی تھی کہ مسلمانوں کے معاملات شوریٰ کے ذریعے طے ہوں لیکن اس کا کوئی نظام یا خاکہ اس کے پاس موجود نہ تھا۔

لیکن جو کچھ ہم نے پہلی خصوصیت کے سلسلے میں عرض کیا تھا وہی اس خصوصیت سے متعلق بھی دہرانا چاہتے ہیں کہ شیخین اور ان کے ساتھیوں کو تہذیب و ترقی کے مسلسل مشاغل نے وہ سکون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور فرصت نہیں دی جوان کو اس قسم کا نظام مرتب کرنے کا موقع دیتی، یہ کام ان لوگوں کا تھا جو بعد میں آئے اور فرصت و فراغت کے علاوہ کافی مال و دولت کا انبار اپنے ساتھ لائے، لیکن انھوں نے حکومتوں کے بدلنے کے لئے کوئی نظام بنایا اور نہ ایسا کوئی دستور مرتب کیا جس میں سیاسی اور سماجی انصاف کی رعایت پیشِ نظر ہو انھوں نے تو انتہائی غفلت برتی اور صرف اس بات کو اچھا سمجھا کہ وہ خود کس طرح حاکم، غالب اور اونچے بنے رہیں۔

مگر ان لوگوں پر بھی کیا ملامت کی جائے، اگر ہم غور کریں کہ دنیا کو دستور سازی کا علم کب سے ہوا تو معلوم ہوگا کہ یہ ابھی پچھلے دنوں کی پیداوار ہے یہ کوئی بہت قدیم چیز نہیں میں جانتا ہوں کہ قدیم یونانی شہروں میں لکھے ہوئے سیاسی دستور تھے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ روم کا بھی ایک مقررہ سیاسی نظام تھا لیکن اسی طرح میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مشرق اور مغرب دونوں میں "شاہی" نے ان نظاموں اور دستوروں کو معطل کر دیا اور عوام سے اس کو اس قدر دور رکھا کہ انسانیت اس کو تقریباً بھلا چکی اور آج یہ نئی دنیا اسی فراموش کردہ حقیقت کا تدریجی طور پر انکشاف کر رہی ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور بات قابلِ غور ہے جس کی طرف میں نے سلسلہ کلام میں اشارہ کیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت عمرؓ ہر سال موسم حج کے موقع پر اسلامی قلمرو کے مختلف گورنروں اور ان کے باشندوں سے ملاقاتیں کرتے تھے گورنروں سے رعایا کے بارے میں اور رعایا سے گورنروں کے متعلق ان کے افکار و خیالات سنتے تھے اور تفصیلی باتیں کرتے تھے یہ طریقہ آپ نے مقرر کر لیا تھا اور بجز اپنی خلافت کے پہلے سال کے زندگی بھر اس پر عمل کرتے رہے، اگر حضرت عمرؓ کی زندگی کے اسباب کچھ بڑھ جاتے تو بہت ممکن تھا کہ گورنروں اور رعایا کا یہ اجتماع آپ کی فراست، بصیرت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے پیش نظر ایک مستقل نظام کی شکل میں تبدیل ہو جاتا جو اگر وہ پارلیمنٹری نظام نہ ہوتا جو قدما جانتے تھے اور جسے عصر جدید نے تلاش کیا ہے تو اس کے قریب تر ضرور ہوتا حضرت عمرؓ اسی موسمی اجتماع پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ جس قدر مزید چھان بین بھی آپ سے ممکن تھی کرتے تھے۔ مدینہ منورہ اور اس کے قرب و جوار میں تو خود ہی تحقیق و تلاش کر لیتے اور دور دراز کے مقامات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے اپنے عمال اور اپنے سکریٹری وقتاً فوقتاً بھیجتے رہتے، علاوہ ازیں وہ رپورٹیں بھی آپ کے پیش نظر ہوتیں جو لوگوں کے معاملات سے متعلق کبھی گورنروں کے ذریعے اور کبھی رعایا کے ذریعے پہنچتی رہتیں، اس پر بھی زندگی کے آخری دنوں میں آپ سوچ رہے تھے کہ تمام صوبوں کا احتسابی معائنہ کرنے کے لئے ایک دورہ کریں چنانچہ گفتگو میں اظہار فرماتے تھے کہ اگر زندگی نے وفا کی تو ہر شہر میں دو ماہ رہ کر دیکھوں گا کہ گورنر کس طرح کام کرتے ہیں اور ان کے کاموں سے رعایا کی رضامندی کا کیا حال ہے لیکن موت نے موقع نہ دیا اور آپ کے قبر میں اترتے ہی مسلمانوں کی سیاست دوسرے رخ پر چل پڑی۔

شاید اس بحث کا حق ادا نہ ہوگا اگر ہم حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل پر روشنی نہ ڈالیں جو ممتاز صحابہ کے ساتھ آپ نے ضروری قرار دیا تھا اس سے پہلے ہم نے بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ چھوڑ کر کہیں جانے کی اجازت نہیں دی تاکہ نہ ان پر کوئی مصیبت آئے اور نہ وہ کسی مصیبت کا باعث بنیں حضرت عمرؓ کی یہ سیاست نہایت کامیاب سیاست تھی اور کیوں نہ ہم آج کی بولی میں حقیقت کا اظہار کریں اور چیزوں کی تعبیر ان کے اصلی ناموں سے کریں اور کہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو مدینہ منورہ میں اس لئے روکے رکھا کہ کہیں ان کے اثرات عوام میں نہ بڑھ جائیں عوام میں ان کے اثر و رسوخ کا بڑھنا خود ان کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے کسی طرح مفید نہ تھا، چنانچہ جب تک حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو مدینہ منورہ میں روکے رکھا اور ان کی نقل و حرکت کا دائرہ محدود رہا، مسلمانوں کے معاملات اور خود اس ممتاز طبقے کے حالات ٹھیک رہے لیکن جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور ان کے لئے نقل و حرکت کا راستہ صاف ہوا تو فتنہ و فساد نے پوری فضا گرد آلود کر دی اس لئے نہیں کہ صحابہ کے اس طبقے نے قصداً کوئی خرابی پیدا کی بلکہ اس لئے کہ ایک طرف تو ان کے پاس دولت کی فراوانی ہوئی جس نے حامیوں کی زبردست جماعت پیدا کر دی اور دوسری طرف عوام فرطِ عقیدت سے ان کی طرف جھک پڑے چنانچہ ان میں سے ہر ایک کے پاس حامیوں اور ساتھیوں کی اچھی خاصی تعداد جمع ہو گئی، حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمرؓ نے کبھی یہ گوارا نہیں کیا کہ مسلمانوں کے مال میں سے بطور صلہ یا اپنی عنایت خاص یا دل جوئی کی بنا پر لوگوں کو عطیات دیں، ان کا طریق کار یہ تھا کہ وہ عام مسلمانوں اور صحابہ دونوں کے لئے یکساں طور پر ایک مقررہ رقم عطیہ کرتے تھے، اور کاروبار کی اجازت دیتے تھے، جس طرح خدا نے دی ہے، لیکن جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے صحابہ کو نہ صرف مختلف مقامات پر سفر کرنے اور قیام کی اجازت دے دی بلکہ ان کو بیت المال سے گراں قدر صلات و انعامات بھی دیئے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک دن حضرت زبیر کو ۶ لاکھ اور حضرت طلحہ کو دو لاکھ کا عطیہ دیا کسی جماعت کو بھی اگر اس طرح دولت ملنے لگے اور پھر اس کے لئے موقع ہو کہ وہ ملک کے مختلف حصوں میں زمینیں خریدے، شہروں میں مکانات بنوائے، حجاز میں بڑے بڑے محل تعمیر کرے، ہر جگہ اپنے خدام اور حامیوں اور ہوا خواہوں کی تعداد بڑھائے تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس پر فتنہ اور فساد کے دروازے کھول دیئے گئے اب یہ دشوار تر ہوگا کہ اس کے افراد ان دروازوں میں داخل ہونے سے رکے رہیں۔ ہاں رکنے والے رکے، چنانچہ سعد ابن ابی وقاص نے کنارہ کشی اختیار کی جن دنوں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی وہ گوشہ نشین رہے عبدالرحمٰن بن عوف رکے رہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے انتخاب پر ان کو ندامت رہی اور یہ کہ وہ بقیہ ایام دار الہجرۃ ہی میں اپنے تجارتی کاروبار میں مصروف رہے اور اپنی بچت کا کافی حصہ اسی طرح خیرات کرتے رہے جس طرح رسول اللہؐ اور شیخین کے عہد میں کرتے تھے۔ حضرت علیؓ رکے رہے، چنانچہ ہمیں نہیں معلوم کہ آپ نے کوئی تجارت کی یا کہیں کوئی زمین خریدی یا مکان لیا آپ مدینے میں اسی جگہ مقیم رہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو رکھا تھا، ہاں ینبع میں آپ کی کچھ جائداد تھی جہاں کبھی کبھی آپ جایا کرتے تھے لیکن حضرت علیؓ سے متعلق ایک اور بات ہے جو کہی جاتی ہے۔

ان تمام باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس ممتاز طبقے کو اور عام مسلمانوں کو اس مصیبت سے بچایا جو ثروت و اقتدار کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور ان سبھوں کو ان کے دین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر قایم رکھا اور خود ان کے اور فتنہ و فساد کے درمیان دیوار بنے رہے اور خاصانِ رسول میں سے ایک مجلس تشکیل دی جسے آپ کی مجلس شوریٰ کہا جا سکتا ہے اور اور اگر کچھ دنوں آپ اور زندہ رہتے تو انھیں مجبور کرتے کہ وہ اپنے اسی درجے پر قناعت کریں اور خلفار کے لئے مشیروں کی طرح اربابِ حل و عقد بنے تفصیلی احکام میں مداخلت سے بلند و بالا رہیں۔

ایک دوسری بات یہ کہ جب حضرت عمرؓ کو محسوس ہو گیا کہ وہ دنیا سے سفر کرنے والے ہیں تو انھوں نے رسولؐ کی اتباع میں کسی مقرر شخص کو خلیفہ نہیں بنایا اور صدیق اکبرؓ کی اتباع میں مسلمانوں کو بلا مشورہ اور نصیحت بھی نہیں چھوڑا چنانچہ آپؓ نے اصحاب شوریٰ کو پسند کیا جن کا نبیؐ کے دربار میں مقررہ درجہ ہے جن کو مہاجرین اور قریش کی سرداری حاصل تھی جن کو عام مسلمانوں کی رضامندی اور اعتماد حاصل تھا۔ پھر عام مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ ان میں سے جن کو چاہیں اپنے لئے خلیفہ پسند کر لیں۔

آگے چل کر آپ کو معلوم ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے جو نظامِ شوریٰ وضع کیا وہ کافی نہ تھا اور نہ اس پر قناعت کی جا سکتی تھی لیکن توجہ اور اہمیت کی بات یہ ہے کہ انھوں نے خلفار کے انتخاب اور اختیار میں شوریٰ کو اصل قرار دیا اور یہ کوئی معمولی اقدام نہ تھا پھر یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ یہ کام حضرت عمرؓ اس وقت کر رہے تھے جب آپ کا جسم قاتل کے خنجر سے زخمی تھا، آپ دنیا چھوڑ کر سفرِ آخرت کی تیاری کر رہے تھے، اس وقت آپ پر وہ سب کچھ گذر رہا تھا جو موت سے قریب مجروح انسان پر گذرتا ہے۔ پھر آپ کا دل خدا کے خوف اور اپنے چھوٹے بڑے اعمال کی حساب دہی کی ہیبت سے بیدار اور باخبر تھا، اس وقت آپ اس فکر میں بھی مبتلا تھے کہ اپنا کچھ انتظام کریں اور گھر والوں کا بھی بند و بست ہو، گھر والوں کا بند و بست یہ کہ ان کو ان ذمہ داریوں سے دور رکھیں جو خود اپنے سر لے رکھی تھیں اور اپنا انتظام یہ کہ خدا سے اس حالت میں ملیں کہ مسلمانوں کے مال میں سے ایک پائی کی ذمہ داری بھی ان کے سر نہ ہو اور ان سب افکار سے بڑھ کر آپ کو اپنی قبر کا خیال تھا آپ کی آرزو تھی کہ اپنے دونوں ساتھیوں کے پہلو میں دفن ہوں اور اس کے لئے حضرت عائشہؓ کی اجازت

© rasailojaraid.com